ISLAMABAD LAW REVIEW

Vol: II Nos. 1&2
Spring & Summer 2018

Special Issue on Islamization of Laws in Pakistan

Published as part of the project
Legal Education Support Program in Pakistan
in collaboration with Sandra Day O'Connor College of Law
Arizona State University, Phoenix, AZ

A Journal of the Faculty of Shariah and Law
International Islamic University, Islamabad

ارتداد اور استتابہ: اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات اور معاصر رجحانات کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

Apostasy and Repentancy: Critical Anaysis of the Recommendations of Council of Islamic Idealogy and Contemporary Approches

DR. INAMULLAH*/ MR. GHULAM MAJID*

Abstract

The Advisory Council of Islamic Ideology had recommended in 1962 that an apostate would not be a legal heir of a Muslim. The Institute of Islamic Research declared it against Islam and pronounced that according to Sharia a Muslim cannot become a heir of a non-Muslim and not even a non-Muslim can become a heir of a Muslim. Along with this the Institute also criticized the punishment of death penalty awarded to an apostate. The Council took this under consideration and deemed it unrelated to its recommendation by further enhancing the scope of its recommendation and reiterating its previous recommendation. In the article under observation, the critical analysis of both viewpoints is presented. Also after 1984, the Council of Islamic Ideology had sent a bill, termed as Apostasy Law, to the Government of Pakistan. While critically analyzing the said law, six problems are brought under discussion and during discussion over repentance the decision of Federal Shariat Court is also brought under discussion.

خلاصہ

اسلامی نظریے کی مشاورتی کونسل نے ۱۹۶۲ء میں ایک سفارش کی کہ مرتد کسی مسلمان شخص کا وارث نہیں ہو گا۔ اس سفارش پر ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے تنقید کی گئی اور اسے خلاف اسلام قرار دیا گیا اور اپنی تحقیق کا حاصل یہ بتایا گیا کہ شرعی طور پر نہ مسلمان کسی غیر مسلم کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ ہی غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث ہو سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مرتد کی سزائے قتل پر بھی تنقید کی گئی تھی۔ کونسل نے اس تنقید کو ملاحظہ کیا اور اسے اپنی سفارش سے غیر متعلق قرار دیتے ہوئے اپنی سفارش کا اعادہ کیا۔ زیر نظر مقالے میں ان دونوں آرا کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے، نیز بعد ازاں ۱۹۸۴ء میں اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے قانون ارتداد کے نام سے ایک مسودۂ قانون حکومت پاکستان کو بھیجا گیا تھا اس قانون کا بھی تنقیدی مطالعہ کرتے ہوئے چھ مسائل

* چیف ریسرچ آفیسر، ڈی جی (آر)، اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان

* سینیئر ریسرچ آفیسر اسلامی نظریات کونسل، پاکستان

زیر بحث لائے گئے ہیں اور استتابہ کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو بھی زیر بحث لایا گیا ہے۔

***

اسلامی نظریاتی کونسل اپنے دستوری فرائض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے پارلیمان، صوبائی اسمبلیوں، صدر پاکستان اور صوبوں کے گورنرز کو قرآن و سنت میں منضبط اسلامی احکام کے موافق قانون سازی کے لیے مشاورت فراہم کرتی رہتی ہے، اور جو پہلے سے موجود قوانین ہیں ان کے بارے میں ایسی مشاورت فراہم کرتی ہے، جن کے ذریعے ان قوانین کا اطلاق اسلامی احکام کے موافق ہو سکے۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ارتداد کے متعلق قانون سازی ہے۔

اس سلسلے کی پہلی سفارش اس وقت پیش کی گئی جب یہ کونسل ۱۹۶۲ء کے دستور کے تحت کام کرتی تھی اور اس کا نام "اسلامی نظریے کی مشاورتی کونسل" تھا۔ کونسل نے موجودہ قوانین پر غوروخوض کے دوران ۱۹۶۶ء میں ایک قانون، جس کا نام The Caste disabilities Removal Act, 1850 (XXI of 1850 تھا، کو اسلامی احکام کے موافق جانچنے کا فیصلہ کیا۔ یہ قانون ہندوستان میں رائج مختلف قسم کے ایسے رسم ورواج کے خاتمے کے لیے لایا گیا تھا، جو کسی مذہب کو تبدیل کرنے سے جائیداد یا حق وراثت سے محرومی کا باعث تھے۔ کونسل نے غوروخوض کرتے ہوئے قرار دیا کہ اگرچہ پاکستان میں متعدد مذاہب موجود ہیں، لیکن کونسل صرف اسلام اور اسلامی احکام سے متعلق ہی مشاورت فراہم کرنے کا اختیار رکھتی ہے، اس لیے اس قانون کو صرف اسلامی احکام کے تناظر میں جانچا گیا، اسلام کی رو سے ایک مرتد (اسلام کو چھوڑنے والا) حق وراثت سے محروم قرار پاتا ہے۔ کونسل میں یہ تحقیق پیش کی گئی کہ اسلام کی رو سے ایک غیر مسلم کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، البتہ مسلمان اپنے مسلم اور غیر مسلم (رشتہ دار) کا وارث ہوتا ہے، لہٰذا یہ قانون اسلام کے اس حکم کے خلاف ہے، اس لیے متفقہ طور پر حسب ذیل فیصلہ کیا گیا:

"یہ قانون ان افراد پر لاگو نہیں ہوگا جو اسلام کو چھوڑ دیں گے"[1]۔

کونسل کی رائے پر نقد

مشاورتی کونسل کی اس رائے پر ادارہ تحقیقات اسلامی کے ایک تحقیقی نوٹ میں تنقید کی گئی، وزارت قانون و پارلیمانی امور نے اپنے مراسلے میں اس نوٹ کا ذکر کرتے ہوئے کونسل کو اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے کی درخواست کی۔ وزارت نے اپنے مراسلے (مؤرخہ ۱۷ مئی ۱۹۶۸ء) کے ساتھ ادارہ تحقیقات اسلامی کے ڈائریکٹر کا مراسلہ اور تحقیقی نوٹ منسلک کیا۔ ڈائریکٹر ادارہ تحقیقات اسلامی[2] نے اپنے مراسلے (مؤرخہ ۱۴ جون ۱۹۶۷ء) میں درج ذیل نقاط ذکر کیے:

۱. ہمارے ادارے کے تحقیقی نوٹ نے وضاحت سے ثابت کیا ہے کہ ارتداد کے مسئلے میں فقہی موقف نہ تو قرآن کے موافق ہے اور نہ ہی سنت کے موافق ہے، اس کے برعکس قرآن کریم تو تمام انسانوں کے لیے مذہب اور ایمان کی آزادی کا داعی ہے اور اسلام میں عقیدے کے سلسلے میں کوئی جبر نہیں ہے، اس لیے جمہور فقہائے کرام کی طرف سے یہ موقف کہ مرتد کو قتل کیا جائے اور جائیداد ضبط کر کے اسے وراثت سے محروم کیا جائے گا، یہ صراحتاً قرآن کریم کے خلاف ہے۔

۲. مسلم حکومتوں بشمول عہد رسالت میں مرتدین کو جو قتل کیا گیا وہ محض ارتداد کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ ان لوگوں کی طرف سے سیاسی بغاوت کا ارتکاب بھی کیا گیا تھا۔

۳. قرآن کریم میں ایسے چند افراد کا تذکرہ موجود ہے، جنھوں نے متعدد بار اسلام قبول کر کے اس سے ارتداد کی راہ اختیار کی ہے، یہ حقیقت بھی جمہور فقہا کے اس موقف کے خلاف ہے،

---

[1]- اسلامی نظریہ کی مشاورتی کونسل، سالانہ رپورٹ، ۱۹۶۶، در ضمن دس سالہ رپورٹ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۲ء، ص ۱۷۱

[2]- اگرچہ مراسلے میں واضح نہیں تھا کہ ڈائریکٹر سے مراد کون ہے، تاہم کونسل کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد ڈاکٹر فضل الرحمٰن ہیں، جیسا کہ ان کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

جو یہ اصرار کرتے ہیں کہ مرتد کو سزا کے طور پر قتل ہی کیا جائے گا اور وراثت سے بھی محروم کیا جائے، مزید یہ بات بھی ہے کہ خود فقہائے کرام کا مرتد کی سزائے قتل پر اتفاق بھی نہیں ہے۔

۴. اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ مشاورتی کونسل کی طرف سے یہ سفارش کہ مرتد کو وراثت سے محروم کیا جائے گا، قرآن کریم کی واضح اور دوٹوک تعلیمات کے خلاف ہے، جن کے تحت مکمل طور پر مذہب اور ایمان کی آزادی کو بنیادی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، اسلام بہترین نمونے اور پر امن طریقوں سے پھیلا ہے، نہ کہ طاقت کے زور پر، اس لیے ہم کونسل کی سفارش سے اتفاق نہیں کرتے۔

۵. ان تمام تفصیلات کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ اگر کہیں ارتداد یا دیگر کسی تحریک کے باعث ریاستی استحکام کو سیاسی خطرہ لاحق ہو، تو قرآن کریم ایسے خطرے کا باعث بننے والے افراد کے خلاف سخت ترین اقدامات تجویز کرتا ہے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد رونما ہونے والی تحریک ارتداد کے خلاف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی جنگ سے بھی یہی سکھانا مقصود تھا۔

۶. اس مراسلے کے ساتھ ادارہ تحقیقات اسلامی کا تحقیقی نوٹ منسلک تھا، جس میں کونسل کے فیصلے پر نقد اور دلائل مذکور تھے، اس نوٹ میں مذکور دلائل کا حاصل حسب ذیل امور تھے۔ نوٹ کا عنوان تھا **"اسلامی قانون میں مرتد کی قانونی حیثیت"**

۱. قرآن کریم میں متعدد ایسی آیات موجود ہیں جن میں ارتداد کا ذکر ہے اور ان میں ارتداد کی حوصلہ شکنی اور مذمت تو کی گئی ہے، لیکن کسی ایک میں بھی مرتد کی سزا کا تذکرہ نہیں ہے، اسی وجہ سے کسی فقیہ نے ارتداد کے قانون پر قرآن کریم سے دلیل پیش نہیں کی، دور جدید کے ایک فقیہ لکھتے ہیں:

"جو کچھ ہماری معلومات میں ہے اس کا حاصل یہ ہے یہ تمام قوانین

(ارتداد کے بارے میں) فقہی رد و قدح کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں، اسی وجہ سے ان کا وہ وزن نہیں ہے جو قرآنی نص کا ہوتا ہے"[۳]۔

۲. ذخیرۂ حدیث میں مضطرب روایات ہیں، جن کی وجہ سے اس مسئلے میں الجھن پیدا ہوئی ہے۔ روایات کی کثیر تعداد اس پر دلالت کرتی ہے کہ اسلام کے ابتدائی ادوار یعنی عہد رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانے میں متعدد افراد کو ارتداد کے جرم میں سزائے موت دی گئی، ان میں سے کچھ روایات میں تو دیگر کسی جرم کا تذکرہ نہیں ہے، لیکن دیگر بہت سی روایات میں صراحت سے مذکور ہے کہ ان منکرین کو اس لیے سزا دی گئی؛ کیونکہ وہ سیاسی بغاوت (حرابہ) کے مرتکب ہوئے تھے۔ ان تمام واقعات کی گہری جانچ پڑتال سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس ابتدائے عہد میں کسی ایک صورت میں بھی صرف ارتداد کی وجہ سے سزا نہیں دی گئی، سوائے اس کے کہ سیاسی بغاوت کی صورت بھی ہو۔

اس عہد کا سب سے مشہور واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد کثیر تعداد میں قبائل عرب کا ارتداد ہے، ناقابل انکار شواہد سے ثابت ہے کہ انھوں نے مدینہ کے خلاف ہتھیار اٹھائے، حملہ آور بھی ہوئے اور متعدد مسلمانوں کو شہید کیا۔ اس طرح یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے، اسی لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی طرف واپس لانے کے لیے، ان سے جنگ نہیں کی بلکہ ریاست مدینہ کے لیے ان کی اطاعت کو یقینی بنانے کے لیے جنگ کی۔ اسی طرح ان میں سے بہت سے افراد نے زکوٰۃ ٹیکس مرکزی اتھارٹی کو دینے سے انکار کر دیا، جو کہ در حقیقت مرکزی اتھارٹی کو تسلیم کرنے سے انکار کے مترادف تھا اور یہ دراصل ان قبائل کا اسلام سے قبل کی لاقانونیت کی طرف عود تھا۔

۳۔ محمد يوسف موسیٰ، التركة والميراث فى الإسلام، مصر ۱۹۶۰، ص ۱۷۲

۳۔ فقہائے کرام نے بعد میں اس تاریخی تناظر، جو اصل قانونی صورتحال کو واضح کرتا تھا، سے ہٹ کر یہ غلط حقیقت اخذ کی کہ ہر وہ شخص جو اسلام ترک کرے، اسے سزائے موت دی جائے۔ اسی وجہ سے اس سزا کا نہ تو قرآن سے جواز معلوم ہوتا ہے نہ ہی حدیث سے، تاہم تمام فقہا اس حقیقت سے ناواقف نہیں تھے جیسا کہ حنفی فقہ کی مشہور قانونی کتاب ہدایہ میں ارتداد کا مسئلہ اس طرح واضح کیا گیا ہے:

> ''اور اسی کے مماثل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''جو بھی مذہب تبدیل کرے اسے قتل کر دو، یہ اس وجہ سے ہے کہ اسے پہلے سے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اور یہ باغی کافر ہے''[۴]۔

اس متن کی تشریح کرتے ہوئے ابن الہمام لکھتے ہیں:

> ''یہ ضروری ہے کہ ارتداد کے مرتکب شخص کو موت کی سزا اس کے بغاوت کے جرم میں دی جائے، نہ کہ اس کے کفر کی سزا کے طور پر؛ اس لیے کہ کفر کی سزا خدا تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی ہے، اسی وجہ سے یہ سزا (سزائے موت) صرف بغاوت کے مرتکب کو دی جا سکتی ہے اور (عموماً) اس کے مرتکب مرد ہوتے ہیں، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت پر موت کی سزا کا نفاذ ممنوع کر دیا اور یہ کہتے ہوئے اس کی وضاحت کی کہ عورت جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی (یعنی مسلح بغاوت)''۔

اسلامی قانون کی ان دو اعلیٰ شخصیات کے پیراگراف یہ باور کرانے کے لیے کافی ہیں کہ اسلامی قانون میں محض مذہب اسلام سے انحراف کی وجہ سے کسی کو موت کی سزا نہیں دی جائے گی۔

مسئلہ وراثت

۱- اسلام میں موانع ارث میں سے ایک امر وارث اور مورث کا اختلاف مذہب ہے، جیسا کہ یہ

٤- ابن ہمام، کمال الدین محمد بن عبدالواجد ابن الہمام، فتح القدیر جلد ٤، ص ٢٨٦، متن ہدایہ

ایک روایت میں بیان ہوا ہے کہ مسلمان کسی کافر کا اور کافر کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔

فقہائے کرام نے پہلے تو اس مسئلے میں یہ غلط تشریح کی کہ مرتد کو بہر صورت لازمی طور پر سزا دینی ہے، تو انھوں نے یہ عمومی اصول وراثت میں بھی لاگو کرتے ہوئے یہ کہا کہ چونکہ وراثت شریعت کی طرف سے ایک نعمت ہے اور مرتد نے شریعت سے اپنی وفاداری تبدیل کر لی ہے، اس لیے وہ اس نعمت کا حق دار نہیں ہے، لیکن قرآن و سنت میں اس یک طرفہ علت کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ دوسرے مذکورہ بالا روایت کی تشریح میں شدید الجھن پیدا کرتے ہوئے کہا کہ مرتد نہ تو کسی مسلمان کا وارث ہو گا نہ ہی کسی کافر کا البتہ اس مرتد کے مسلمان وارث اس کی وراثت حاصل کریں گے۔

یہ ارشاد نبوی سے کھلا تعارض ہے (۲) حنفی فقہا میں سے علامہ سرخسیؒ نے بڑی بہادری سے حدیث بالا کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کوئی مسلمان کسی غیر مسلم رشتہ دار کا وارث نہیں ہو گا" (۵)۔

اسی طرح مستند روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے وراثت سے متعلق متعدد فیصلے تبدیل کرتے ہوئے قرار دیا کہ دو مختلف مذاہب کے افراد کے درمیان وراثت جاری نہیں ہو گی (۶)۔

(۳) یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ قرآن و سنت کے بنیادی اعلانات میں سے ایک عقیدے کی آزادی کا اعلان ہے، فقہا کے موقف کو تسلیم کرنے سے اس اعلان پر حرف آتا ہے۔

(۴) حاصل یہ کہ ارشاد نبوی کو اختیار کرتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ دو مختلف مذاہب کے درمیان وراثت جاری نہ کی جائے اور اس سلسلے میں کسی مذہب کی رعایت نہ کی جائے (۷)۔

کونسل کا ردعمل

۵- شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، شمس الائمہ، المبسوط، ۳۰: ۳۱- ۳۰

۶- محمد يوسف موسیٰ، التركہ و الميراث فی الإسلام، ص، ۱۷۲

۷- سالانہ رپورٹ ۱۹۶۸، ٦٦- ۷۲

مشاورتی کونسل نے ان دونوں مراسلوں پر قرآن و سنت اور اپنی سابقہ سفارش کے پیش نظر غور وخوض کیا اور مراسلوں میں مذکور دلائل کا تفصیلی جائزہ لیا اور حسب ذیل امور طے کیے:

۱- ''کونسل کی سابقہ سفارش کا تعلق صرف ایک خاص پہلو سے تھا، یعنی کیا اسلامی قانون کی رو سے اسلام سے ارتداد کا ارتکاب کرنے والا کسی مسلمان کا وارث ہو گا؟ بحث کو اسی پہلو تک محدود رکھنا چاہیے تھا، ارتداد کے تمام پہلو اس فیصلے کے تحت نہیں آتے''[۸]۔

اس کے بعد کونسل نے مراسلوں میں مذکور دلائل کا جائزہ لیا اور اپنی سفارش کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ کونسل کو ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے تجدد پسندانہ نظریے سے اتفاق نہیں ہے اور ان کی طرف سے قرآن کریم کی آیت "لا إكراه فى الدين" سے اس مسئلے پر استدلال درست نہیں، اس لیے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب ایک کافر نے اسلام قبول کیا اور اپنے والد کو زبردستی اسلام قبول کروانا چاہا، لیکن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا تو آپ کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ آیت اسلام قبول کرنے کے حوالے سے ہے نہ کہ اسلام سے ارتداد کے بارے میں۔ درحقیقت معاملہ یہ ہے کہ اسلام ایک سچا اور بہترین مذہب ہے، اس لیے جو بھی اسے اختیار کرے تو اپنی مرضی سے اور قائل ہو کر کرے نہ کہ جبر، دھمکی اور دباؤ کے تحت۔ یہ آیت تو غیر مسلموں کے حق میں تحمل کا منشور قرار پاتا ہے نہ کہ مسلمانوں کے لیے اسلام سے انحراف کی آزادی کا سرٹیفکیٹ ہے۔ مزید یہ کہ ایک مسلم ریاست کے لیے ایسی کوئی ممانعت نہیں کہ وہ مسلمانوں کے اسلام سے انحراف پر پابندی عائد کرے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کیا جا سکتا ہے کہ یہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مابین بین الاقوامی تعلقات پر مبنی آیت ہے نہ کہ مسلم معاشرے کے باہمی تعلقات پر مبنی۔

۲- کونسل کے فیصلے کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ''مختلف المذاہب لوگ باہم کسی چیز کے وارث نہیں ہوں گے، نہ تو مسلمان کسی کافر کا وارث

۸- حوالہ بالا، ص: ۷۲

ہو گا، نہ ہی کافر کسی مسلمان کا وارث ہو گا"[۹]۔

اس روایت سے صراحتاً ثابت ہوتا ہے کہ مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا، فقہائے اسلام ہر دور میں یہ موقف ذکر کرتے آئے ہیں، لہٰذا اب اسے بیک جنبش قلم بغیر کسی معقول وجہ اور بغیر دلائل کے تبدیل نہیں کیا جا سکتا، مزید یہ کہ زیر بحث قانون کسی مرتد کے مسلمان وارث سے بحث نہیں کرتا، اس لیے یہ بات زیر بحث مسئلے سے بالکل غیر متعلق ہے۔ بحث کے بعد کونسل نے متفقہ طور پر حسب ذیل فیصلہ کیا:

> تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے کونسل اپنا سابقہ فیصلہ ہی دہراتی ہے جس کے الفاظ یہ تھے "یہ قانون ان افراد پر لاگو نہیں ہو گا جو اسلام سے انحراف کریں اور جہاں تک اسلامی قانون میں ایک مرتد کے قانونی تشخص کی بات ہے تو یہ بات Cast disabilities Removeal Act, 1850 کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ لہٰذا اس بارے میں کونسل کی سفارش کسی متعلقہ قانون یا مواد کے تحت پیش کی جائے گی"[۱۰]

محاکمہ

مرتد کی شرعی سزا اور مسئلہ وراثت پر تفصیل سے آئندہ کی سطور میں بحث کی جائے گی، البتہ درج بالا دو اداروں کی تحقیق میں کچھ علمی حوالہ جات پر بحث ناگزیر ہے، تاکہ صحیح صورت حال تک رسائی میں معاونت ہو سکے۔

۱- سزائے مرتد کے بارے میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ میں دعویٰ کیا گیا کہ اس پر قرآن کریم میں کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی کسی فقیہ نے اس پر قرآن کریم سے کوئی دلیل ذکر کی ہے۔ یہ دعویٰ محل نظر ہے۔ قرآن کریم میں دلیل بھی موجود ہے اور فقہائے کرام نے قرآن کریم سے

۹- محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری، کتاب الفرائض باب: ۹۴۳

۱۰- سالانہ رپورٹ ۱۹۶۸، در ضمن دس سالہ رپورٹ ۱۹۶۲ء تا ۱۹۷۲ء ص ۷۷- ۷۳

استدلال بھی کیا ہے، اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ صفحات میں رقم کیا جائے گا۔

۲- ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے احادیث کے بارے میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ ارتداد کی سزا کے طور پر کوئی واضح روایت نہیں ہے بلکہ ان میں دیگر جرائم کی شمولیت تھی اس لیے اس وقت کے مرتد افراد کو قتل کیا گیا۔ یہ دعویٰ بھی حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی۔

۳- فقہ حنفی کی کتاب ہدایہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ اس میں بھی یہ مذکور ہے کہ محض ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے، بلکہ بغاوت کی وجہ سے قتل کو بطور سزا کہا گیا ہے۔ ذیل میں کتاب کی اصل عبارت نقل کر کے اس کا درست مطلب معلوم کرنے کی کوشش کی جائے گی تاکہ واضح ہو سکے، آیا اس عبارت سے درج بالا استدلال درست ہے یا کسی غلط فہمی پر مبنی ہے، ہدایۃ کی عبارت حسب ذیل ہے:

"و كذا قوله عليه الصلاة والسلام "من بدل دينه فاقتلوه"

"ولأنه كافر حربي بلغته الدعوة فيقتل للحال من غير استمهال"[۱۱]

اول تو ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوٹ میں عبارت کا آخری حصہ یعنی "فيقتل للحال من غير استمهال" کو حوالے میں شامل نہیں کیا گیا، اسی وجہ سے الجھن پیدا ہوئی اور نوٹ میں اس عبارت سے یہ استدلال کر لیا گیا کہ مرتد کو قتل محض ارتداد کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس کے ساتھ بغاوت وغیرہ کا جرم بھی شامل ہو تو ہی اسے قتل کیا جائے گا۔ حالانکہ اس عبارت سے یہ استدلال کسی طرح ممکن نہیں ہے، کیونکہ اس عبارت میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ مرتد کو جو قتل کیا جائے گا، آیا وہ فوری قتل کی سزا دی جائے گی یا اسے کچھ دن مہلت دی جائے گی اور اس کے بعد قتل کیا جائے گا؟ چنانچہ اس سلسلے میں صاحب ہدایۃ نے دو موقف ذکر کیے ہیں، ایک موقف امام شافعی علیہ الرحمہ کا ذکر کیا کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دینا ضروری ہے، اس سے قبل سزائے قتل دینا درست نہیں اور ساتھ ہی ان کے دلائل ذکر

۱۱- علی بن أبی بکر الفرغانی، المرغینانی (م: ۵۹۳)، الهدایۃ، باب أحکام المرتدین، داراحیاء التراث العربی، ۲: ۴۰۶

کیے اور اس کے بعد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف ذکر کیا کہ مرتد کو مہلت دینا لازمی اور ضروری امر نہیں ہے بلکہ فوراً قتل کیا جا سکتا ہے، ساتھ ہی اس اس موقف کے دلائل ذکر کیے، پہلی دلیل قرآن کریم سے دی، دوسری اور تیسری دلیل زیر بحث عبارت میں مذکور ہے کہ حدیث مبارکہ میں چونکہ محض ترک دین پر قتل کی سزا کا ذکر ہے اس لیے فوراً قتل کیا جائے گا۔ یہاں مہلت کا کوئی ذکر نہیں ہے اس کے بعد ایک تیسری دلیل بھی صاحب ہدایہ نے ذکر کر دی کہ چونکہ یہ بندہ یعنی مرتد ایسا کافر ہے کہ جس میں دو صفات پائی جاتی ہیں، ایک صفت حربی ہونا اور دوسری صفت یہ کہ اسے اسلام کی دعوت پہنچ چکی ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ جس میں یہ دو صفات موجود ہوں تو اسے فوری قتل کیا جا سکتا ہے، اسی لیے صاحب ہدایہ نے آگے یہی الفاظ لکھے جنھیں ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوٹ کے میں ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا ''فيقتل للحال من غير استمهال'' یعنی اسے بغیر مہلت دیے فوری قتل کیا جائے گا۔

اس تفصیل سے بات واضح ہو گئی کہ اس عبارت سے وہ مطلب اخذ نہیں ہو سکتا جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ میں حاصل کرنا مقصود ہے۔

۳۔ اسی طرح فقہ حنفی کی ایک اور کتاب فتح القدیر کی حسب ذیل عبارت سے بھی یہی استدلال کیا گیا کہ محض ارتداد کی وجہ سے سزائے قتل نہیں ہے، بلکہ بغاوت وغیرہ کے جرائم ساتھ ملیں تو ہی سزائے قتل دی جائے گی۔

> ''فكذا يجب في القتل بالردة أن يكون لدفع شرحرابه لا جزاء على فعل الكفر، لأن جزاءه أعظم من ذلك عند الله تعالىٰ فيختص بمن يتأتى منه الحراب و هو الرجل، و لهٰذا ''نهى النبى صلى الله عليه و سلم عن قتل النساء'' و علله بأنها لم تكن تقاتل''[۱۲]۔

۱۲۔ کمال الدین محمد بن عبدالواجد ابن الهمام، فتح القدير، ٦: ٧٢، دارالفكر، بيروت

اس عبارت سے بھی استدلال درست نہیں ہے یہ استدلال در حقیقت فقہی اصطلاحات کو باہم خلط کرتے ہوئے کیا گیا ہے۔ در حقیقت بات یہ ہے کہ فقہائے کرام جہاں کہیں کسی کافر کا کوئی حکم ذکر کرتے ہیں تو اس کی زندگی، مال و دولت کے حوالے سے بھی کوئی نہ کوئی حکم لگاتے ہیں، جس کے لیے کچھ اصطلاحات ہیں، جیسا کہ ذمی، مستامن، معاہد یا پھر حربی ہونا، جہاں کہیں کسی کافر سے متعلق یہ مذکور ہو کہ یہ حربی ہے تو اس سے بہر صورت یہ قطعاً مراد نہیں ہوتا کہ وہ اس وقت جنگ کے عمل میں شریک ہے، بلکہ اس سے مراد یہ ہوتا ہے یہ مباح الدم ہے، یعنی اس کا قتل حلال ہے۔ اسی طرح مرتد کے بارے میں جب کفر کا حکم لگا تو کفار میں سے اس کی نوع کا تعین بھی کر دیا گیا کہ یہ حربی ہے، اسی وجہ سے اس کی سزا قتل ہے۔ لہٰذا اس سے یہ أخذ نہیں کیا جا سکتا کہ مرتد کو سزائے قتل تب ہی دی جا سکے گی، جب کہ اس نے ارتداد کے ساتھ ساتھ بغاوت بھی کی ہو یا عملی طور پر کوئی جنگی اقدام کیا ہو۔

سزائے ارتداد کا اصل سبب

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واضح کر دیا جائے کہ فقہا کے ہاں مرتد کو جو سزائے موت دی جاتی ہے، اس کی اصل بنیادی وجہ اور سبب کیا ہے؟ چنانچہ فقہا کی عبارات کو بغور پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سزائے موت اس لیے نہیں دی جاتی کہ اس نے ترک اسلام کر کے کفر اختیار کیا ہے، بلکہ اس عمل پر اصرار سزائے موت کا موجب ہے علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:

"و هذا لأن القتل ليس بجزاء على الردة بل هو مستحق باعتبار الإصرار على الكفر"- (المبسوط: ١٠/ ١٨٦)

اس میں یہی تصریح ہے کہ تبدیلی دین کے بعد کفر پر اصرار کی سزا موت رکھی گئی ہے، اسی وجہ سے اگر وہ اس عمل سے تائب ہو کر واپس اسلام کی طرف لوٹ آتا ہے تو چونکہ اصرار علی الکفر ختم ہو گیا اسی لیے سزا بھی ساقط ہو جاتی ہے۔

فقہائے کرام عمل ارتداد اور اس پر اصرار کو ہی بذات خود محاربہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے بعد مزید کسی اقدام کے طور پر بغاوت یا جنگ میں شرکت کے کسی فعل کو ساتھ شامل ہونا ضروری نہیں

سمجھتے۔ چنانچہ علامہ سرخسیؒ نے جہاں جرائم کی دنیوی مصلحتیں ذکر کی ہیں، وہاں یہ بات ذکر کرتے ہیں:

"وبالإصرار على الكفر يكون محاربا للمسلمين، فيقتل لدفع المحاربة"۔ (حوالہ بالا: ١٠/ ١٨٧)

یعنی کفر پر اصرار کی وجہ سے یہ (مرتد) مسلمانوں سے جنگ کرنے والا قرار پاتا ہے، لہٰذا اس محاربہ کو ختم کرنے کے لیے اسے قتل کیا جائے گا۔

اس لیے واضح ہو گیا کہ جرم ارتداد کے بعد مزید کسی ایسے عمل کا ساتھ شامل ہونا ضروری نہیں ہے، جیسا کہ ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ میں ایسے دعوے کیے گئے ہیں اور انہیں کچھ فقہا کی طرف سے منسوب کرنے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

٥- مرتد کی وراثت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ میں بہت عجیب صورت حال سامنے آتی ہے، جس کا حاصل کچھ یوں ہے کہ کونسل نے تو یہ سفارش کی تھی کہ مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا اور یہ بات کسی آیت، حدیث یا کسی فقیہ کے قول کے معارض نہیں تھی، لیکن ادارہ تحقیقات اسلامی کے نوٹ میں زور تحقیق اس پر صرف کیا گیا کہ مسلمان کسی مرتد کا وارث نہیں ہونا چاہیے اور فقہائے کرام کی طرف سے جو یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ مسلمان مرتد کا شرعاً وارث ہے، اس حدیث کے معارض ہے جو صحیح بخاری میں مروی ہے یعنی "لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم"[١٣] اس تحقیقی نوٹ میں ساری تحقیق کے بعد یہ نتیجہ نکالا گیا کہ نہ تو مسلمان مرتد کا وارث ہونا چاہیے اور نہ ہی مرتد کسی مسلمان کا۔ درحقیقت کونسل کی سفارش بھی اس تحقیق کا دوسرا جملہ ہی تھی، یعنی مرتد کسی مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔ پہلے جملے یعنی کیا مسلمان کسی مرتد کا وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟! یہ بات کونسل نے اس وقت تک اپنے فیصلے میں ذکر ہی نہیں کی تھی، اسی لیے کونسل نے اس کو زیر بحث قانون سے غیر متعلق قرار دیا۔

١٣- صحیح بخاری، حدیث: ٦٣٨٣

اس پوری تحقیق میں ادارہ تحقیقات اسلامی نے نہ صرف یہ کہ غیر متعلق بات کو موضوع تنقید بنایا، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مزید دو ایسی باتیں لکھ دیں جو حقیقت کے مطابق نہیں تھیں۔ پہلی بات یہ کہ فقہائے کرام کا موقف کہ مسلمان کسی مرتد رشتہ دار کا وارث ہو سکتا ہے، حدیث رسولؐ کے معارض ہے۔ یہ بات خود حقیقت سے معارض ہے، اس لیے کہ یہ موقف فقہائے احناف کا ہے اور فقہائے احناف نے اس میں جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان میں ثابت کیا ہے کہ اس مسئلے میں مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو رہا، بلکہ مسلمان مسلمان ہی کا وارث قرار پاتا ہے، اس کی تفصیل علامہ سرخسی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

و تحقيق هذاالكلام أن الردة هلاك فإنه يصيربه حربياً، و أهل الحرب في حق المسلمين كالموتى إلا أن تمام هلاكه حقيقة بالقتل أوالموت فاذا تم ذلك استندالتوريث إلى أول الردة و قد كان مسلما عند ذلك فيخلفه وارثه المسلم فى ماله، و يكون هذا توريث المسلم من المسلم-

(اس کلام کی تحقیق یہ ہے کہ ارتداد ہلاکت ہے، اس لیے کہ اس کی وجہ سے یہ شخص حربی ہو جاتا ہے اور اہل حرب مسلمانوں کے حق میں میت ہیں، البتہ اس کی حقیقی اور مکمل موت قتل یا طبعی موت سے ہوتی ہے، چنانچہ جب یہ (حقیقی موت) ہو جائے گی تو وراثت ارتداد کے آغاز کی طرف منسوب ہو گی اور اس وقت یہ مسلمان تھا، تو اس کے مال سے اس کا مسلمان وارث وراثت پائے گا؛ لہٰذا یہ مسلمان کی مسلمان سے وراثت ہے)[۱۴]۔

اس کے لیے احناف نے اپنی تائید میں آیت قرآنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر بھی نقل کیا ہے، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ موقف قرآن و سنت اور آثار صحابہ سے ثابت ہے، ان سے معارض ہرگز نہیں ہے۔

۱۴- شمس الدين أبو بكر محمد بن أبى سهل السرخسى، شمس الائمہ، المبسوط، دارالفكر، بيروت ۱۴۲۱ھ، ۱۰: ۱۷۱

دوسری بات یہ کہ ادارہ تحقیقات اسلامی نے اپنے موقف کہ "مسلمان کسی مرتد کا وارث نہیں ہو سکتا" کی تائید میں حنفی فقیہ علامہ سرخسیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ کوئی مسلمان اپنے کسی کافر رشتہ دار کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس سیاق میں علامہ سرخسیؒ کی بات نقل کرنا یا تو غلط فہمی پر مبنی ہے یا قلت تدبر کا نتیجہ ہے؛ کیونکہ اس مقام پر ان کی مکمل بحث کا مطالعہ کرنے سے کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمان مرتد کا وارث نہیں ہو گا، بلکہ وہ بھرپور انداز میں حنفی موقف کے حق میں عقلی و نقلی دلائل دیتے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس پر پیش آنے والے اشکالات کے بڑے مضبوط جوابات دے رہے ہیں۔ ادارہ تحقیقات اسلامی کو ان کی جس عبارت سے شبہ ہوا یا جسے عدم تدبر کی وجہ سے وہ اپنے حق میں استعمال کر رہے ہیں ،وہ احناف ہی کے موقف کا ایک حصہ ہے؛ کیونکہ اس بارے میں مکمل موقف یہ ہے کہ مرتد کی وہ کمائی جو حالت اسلام میں اس نے کمائی تھی، اس میں تو وراثت جاری ہو گی، لیکن جو کمائی بحالت ارتداد کمائی ہے، اس میں مسلمان وارث ہو سکتا ہے یا نہیں؟!اس میں احناف کے ہاں ایک سے زائد اقوال ہیں، علامہ سرخسیؒ اپنا رجحان اس طرف ظاہر کر رہے ہیں کہ اس کمائی میں سے کسی مسلمان کو وارث قرار نہیں دیا جا سکتا؛ کیونکہ یہ کافر کی وراثت ہے اور مسلمان کسی کافر کا وارث نہیں ہو سکتا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

فأما اسناد التوريث في كسب الردة غير ممكن لانعدام المحل عند السبب في هذا الكسب فلوثبت فيه حكم التوريث ثبت مقصورًا على الحال و هو كافر بعد الاكتساب والمسلم لايرث الكافر[۱۵]۔

اس پوری تفصیل کے بغیر محض اپنی بات کی تائید کے لیے اتنے سے جملے "والمسلم لايرث الكافر" کو استعمال کرنا علمی طور پر درست نہیں ہے۔

اس لیے بجا طور پر کونسل نے ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ سے اتفاق نہیں کیا، اور

۱۵۔ حوالہ بالا، ۱۰: ۱۷۰

اپنی سفارش کا اعادہ کرتے ہوئے قرار دیا کہ زیر بحث قانون کا اطلاق ان افراد پر نہیں ہونا چاہیے جنھوں نے اسلام ترک کیا ہو۔

تبدیلی مذہب کا طریقہ کار؟

مؤرخہ ۱۷ مارچ ۱۹۸۱ء کو کونسل کے نام وزارت دفاع کا استفسار موصول ہوا، جس میں مذہب تبدیل کرنے کا طریقہ (اسلام ترک کر کے دوسرا مذہب اختیار کرنا) پوچھا گیا تھا، اس کے جواب میں کونسل نے سفارش کی کہ:

"معصیت کے اختیار کرنے کا کوئی طریقہ اسلام میں جائز نہیں ہے"[۱۶]۔

اس کے ساتھ اس بات کی بھی تائید کی کہ ارتداد اختیار کرنے والے افراد کو سرکاری ملازمت سے برطرف کر دینا چاہیے۔ بعد ازاں اسی استفسار اور جواب کے بارے میں کیبنٹ ڈویژن کا ایک مراسلہ موصول ہوا، جس پر کونسل نے ۴ اکتوبر ۱۹۸۲ء میں غور وخوض کر کے ایک تفصیلی رائے مرتب کی، اس رائے میں کافی تفصیل لکھی گئی، اس کا حاصل حسب ذیل امور ہیں:

۱- دستور پاکستان کے ترمیمی آرڈیننس مجریہ ۱۵ مارچ ۱۹۸۱ء کے بعد جو مسلمان بھی احمدی / قادیانی (بشمول لاہوری گروپ) ہو جائے تو وہ ازروئے قرآن و سنت اور اجماع امت مرتد ہو گا اور مرتد واجب القتل ہے۔

۲- اگر کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل کرتا ہے تو اسے ارتداد سے توبہ کرنے کے لیے کہا جائے گا۔ اگر وہ نہ مانے اور توبہ نہ کرے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی، اس دوران اسے اسلام کی طرف لوٹ آنے کی دعوت دی جاتی رہے گی۔ اگر اسے اسلام کے بارے میں کوئی شبہ ہو تو اس کے ازالے کی بھی کوشش کی جائے گی، پھر بھی وہ اپنے ارتداد سے توبہ نہ کرے تو اسے سزائے موت دی جائے گی۔

---

[۱۶]- اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ ۸۲- ۱۹۸۱ء، گل اعوان پرنٹرز، اسلام آباد (اشاعت سوم، ۲۰۱۴ء)، ص ۵۰

۳- ارتداد کے موضوع پر ایک مستقل قانون بنایا جائے۔

۴- مرتدین کو فوری طور پر سرکاری ملازمت سے علحدہ کیا جائے، کسی مرتد کو سرکاری ملازمت میں نہ رہنے دیا جائے[۱۷]۔

تجزیہ

مرتد کے واجب القتل ہونے کی سزا پر دلائل آئندہ صفحات میں ذکر کیے جائیں گے، چونکہ مرتد اسلام میں سزائے موت کا مستحق ہوتا ہے اور جب تک اس پر سزا کا نفاذ نہ ہو یا وہ توبہ نہ کر لے تو اسے قید میں رکھا جاتا ہے، اس لیے کونسل نے ایسے افراد کو سرکاری ملازمت کے لیے نااہل قرار دیا ہے۔

قانون ارتداد کی تسوید

کونسل نے ایک قانون ارتداد نافذ کرنے کی تجویز دی تھی اور ساتھ ہی یہ پیشکش کی تھی کہ کونسل ایک مسودۂ قانون تیار کر کے حکومت کو پیش کر سکتی ہے، اس پر نومبر ۱۹۸۳ء میں وزارت مذہبی امور کی طرف سے ایک استفسار آیا، جس میں قانون ارتداد کا مسودہ تیار کرنے کا کہا گیا تھا۔ کونسل نے اس کا ابتدائی مسودہ تیار کرنے کی ذمہ داری جسٹس (ر) تنزیل الرحمٰن کو تفویض کی، ان کی طرف سے تیار کردہ مسودے پر اراکین کونسل نے غور و خوض کیا اور ضروری حذف و اضافہ کے بعد مؤرخہ ۲۹ر دسمبر ۱۹۸۳ء کو منظور کر لیا اور مؤرخہ ۸ر فروری ۱۹۸۴ء کو وزارت مذہبی امور اور کیبنٹ ڈویژن کو ارسال کر دیا۔ یہ مکمل مسودہ کونسل کی سالانہ رپورٹ ۸۴- ۱۹۸۳ء میں موجود ہے[۱۸]۔

کونسل کی طرف سے تیار کردہ مسودۂ قانون ارتداد کل تیرہ دفعات پر مشتمل ہے۔ اس

۱۷- اسلامی نظریاتی کونسل، سالانہ رپورٹ ۸۳- ۱۹۸۲ء، پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس، اسلام آباد (اشاعت دوم، ۱۹۹۳ء) ص۲۴- ۲۰

۱۸- اسلامی نظریاتی کونسل سالانہ رپورٹ ۸۴- ۱۹۸۳ء، 786.com، اسلام آباد، طبع سوم، ۲۰۱۲ء، ص ۹۷- ۱۰۷

مسودے کی شرعی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے چھ امور پر بحث ضروری معلوم ہوتی ہے۔

۱-مرتد سے توبہ کا مطالبہ اور اس کی مدت

اسلامی نظریاتی کونسل نے مسودۂ قانون کی دفعہ ۵ میں مرتد سے توبہ کرانے کے لیے ابتداءً تین دن یا عدالت کی صوابدید کے مطابق مہلت کا ذکر کیا ہے، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"اگر مجرم توبہ کی دعوت ملنے کے فوراًبعد توبہ نہ کرے تو عدالت اسے اس غرض کے لیے اچھی طرح غور و فکر کے لیے تین دن یا اتنے دنوں کی مہلت دے گی جتنے دن کی مہلت دینا وہ مناسب خیال کرے، لیکن یہ مہلت ایک مہینے سے زیادہ نہ ہو گی، اس عرصے کے دوران مجرم کو قید رکھا جائے گا"۔

تجزیہ

اس دفعہ میں فوری طور پر توبہ نہ کرنے کی صورت میں ابتدائی طور پر تین دن کی مہلت دینے کا ذکر ہے، اس مہلت کے بارے میں شرعی بنیاد اور فقہی اقوال کچھ اس طرح ہیں کہ فقہائے احناف کے ہاں دو روایتیں ہیں، ایک روایت ظاہر الروایۃ ہے کہ امام وقت پر مرتد کو تین دن کی مہلت دینا کوئی لازم نہیں ہے، ہاں اگر مرتد خود کچھ مہلت طلب کرے تو اسے تین دن کی مہلت دی جائے گی اور دوسری روایت جو کہ نادر الروایۃ ہے، اس کے مطابق امام کے لیے مستحب ہے کہ وہ مرتد کو تین دن کی مہلت دے، چاہے وہ مہلت طلب کرے یا نہ کرے۔

جبکہ امام شافعی علیہ الرحمۃ کا قول یہ ہے کہ تین دن تک مہلت دینا ضروری ہے، اس سے قبل سزائے قتل کا اجرا درست نہیں ہے۔ علامہ سرخسیؒ یہ تفصیل بیان کرتے ہیں:

"إن استمهل كان على الإمام أن يمهله و مدة النظر مقدرة بثلاثه أيام في الشرع كما في الخيار فلهذا يمهله ثلاثة أيام، لا يزيده على ذلك و

إن لم يطلب التأجيل يقتل من ساعته في ظاهر الرواية"[۱۹]

(اگر مرتد مہلت طلب کرے تو امام کے ذمے ضروری ہے کہ وہ اسے مہلت دے اور شریعت میں غور و فکر کی مدت تین دن مقرر ہے، جیسا کہ خیار شرط کے مسئلے میں ہے، اسی لیے امام اسے تین دن کی مہلت دے، اس سے زیادہ مہلت نہ دے اور اگر وہ کوئی مدت طلب نہ کرے تو ظاہر الروایہ کے مطابق اسے فوری طور پر قتل کر دیا جائے گا)۔

اس کے بعد علامہ سرخسیؒ نادر الروایۃ کا ذکر کرتے ہیں:

"و في النوادر عن أبي حنيفة و أبي يوسف رحمهما الله أنه يستحب للإمام أن يؤجله ثلاثة أيام طلب ذلك أولم يطلب"[۲۰]۔

(نوادر میں شیخین سے مروی ہے کہ امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ وہ مرتد کو تین دن کی مہلت دے، وہ یہ مہلت طلب کرے یا نہ کرے)۔

حنفی موقف واضح کرنے کے بعد علامہ سرخسیؒ شوافع کا موقف لکھتے ہیں:

"و قال الشافعي رحمه الله يجب على الإمام أن يؤجله ثلاثة أيام ولا يحل له أن يقتله قبل ذلك"[۲۱]۔

(امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ امام پر لازم ہے کہ وہ اسے تین دن مہلت دے اس سے قبل قتل کرنا جائز نہیں ہے)۔

فقہائے کرام نے جو تین دن کی مہلت دینے کی بات کی ہے، چاہے مطالبے کی صورت میں ہو یا بغیر مطالبے کے، بطور وجوب کے ہو یا بطور استحباب کے، اس کی بنیاد بھی روایات و آثار ہیں، جیسا کہ ایک روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس میں انھیں ایک مرتد کو فوری طور پر قتل کیے جانے سے متعلق بتلایا گیا تو انہوں نے ارشاد فرمایا:

"أفلا حبستموه ثلاثا و أطعمتموه كل يوم رغيفاً و استبتموه لعله

۱۹۔ شمس الأئمہ السرخسی، المبسوط، ۱۰: ۱٦۷

۲۰۔ حوالہ بالا

۲۱۔ حوالہ بالا

يتوب"[۲۲]

اس میں تین دن تک مہلت اور اس سے توبہ کروانے کا ذکر ہے، یہ روایت فقہائے کرام نے بطور استدلال ذکر کی ہے، اسی طرح خیار کے معاملے میں بھی تین دن کا ذکر ہے۔ ان سب دلائل کی طرف علامہ ابن الہمام نے اس طرح اشارہ کیا ہے:

"و إنما تعينت الثلاثة لأنها مدة ضربت لإبلاء الأعذار بدليل حديث حبان بن منقذ في الخيار ثلاثة أيام ضربت للتأمل موقع الغبن، و قصة موسىٰ صلى الله عليه و سلم مع العبد الصالح" إن سألتك عن شيء بعدها فلا تصاحبني" و هي الثالثة--- و عن عمر رضي الله عنه--- هلا حبستموه في البيت ثلاثة أيام"[۲۳]

اس عبارت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر، خیار شرط کے معاملے میں وارد حضرت حبان بن منقذ کی روایت اور قرآن کریم میں مذکور حضرت موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعے میں تیسرے دن سوال کرنے پر باہم راستے جدا کرنے والی آیت کریمہ سے استدلال کا ذکر ہے، اس ساری تفصیل سے تین دن تک مہلت دینے کی بنیاد واضح ہو جاتی ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کونسل کی طرف سے تیار کردہ اس مسودۂ قانون میں ایک تو شوافع کے موقف کے مطابق قانون سازی کی بات کی ہے؛ کیونکہ جب قانون میں اس کا ذکر آئے گا تو اس کا مطلب وجوب ہی ہو گا۔ استحباب نہیں ہو گا اور وجوب کا قول شوافع کا ہے۔

یا پھر فقہائے احناف میں سے علامہ ابن الہمام کی پیروی کی گئی ہے کہ وہ مہلت دینے کے وجوب کے قائل ہیں، انھوں نے مہلت نہ دینے کے دلائل پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و إن كان أريدبه نفي استحباب الإمهال فنقول هذه الأوامر مطلقة

۲۲- مالک بن أنس، امام (م: ۱۷۹ھ) مؤطا امام مالک، مؤسسۃ زایدین سلطان، أبوظبی، ۱۴۲۵ھ، حدیث: ۲۷۲۸

۲۳- ابن الهمام فتح القدير، ۱۳: ۲۱- ۲۲۰

و هي لا تقتضي الفور فيجوز التأخير على ما عرف ثم ثبت وجوبه بحديث عمر رضي الله عنه"[۲۴]

(اگر ان دلائل سے مہلت دینے کا استحباب بھی منتفی کرنا مراد ہے کہ تو ہم یوں کہتے ہیں کہ یہ (قتل کرنے کے اوامر) مطلق ہیں، ان کا تقاضا فوری طور پر (قتل کرنا) نہیں ہے، جیسا کہ یہ بات معروف ہے، نیز یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے (مہلت دینے کا) وجوب ثابت ہے)

اس کے بعد علامہ ابن الہمام نے صاحب ہدایہ کی طرف سے فوری قتل کرنے پر پیش کی گئی دلیل پر نقد کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و قول المصنف (و هذا لأنه لا يجوز تأخير الواجب لأمر موهوم) ليس بجيد إذا يقتضي كراهة الإمهال ثلاثة أيام و هو يخالف المذهب، و يخالف ما ذكرنا من أن الأمر المطلق لا يقتضي الفور إلا إذا خيف الفوات"[۲۵]

(مصنف کا یہ ارشاد (یہ اس لیے ہے کہ واجب کو کسی موہوم بات کی وجہ سے مؤخر کرنا جائز نہیں ہے) مضبوط بات نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تو پھر تین دن مہلت دینے کو بھی ناپسندیدہ قرار دے گا، جبکہ یہ تو مذہب کے بھی خلاف ہے اور اس بات کے بھی خلاف ہے جو ہم نے ذکر کی کہ امر مطلق فوری عملدرآمد کا تقاضا نہیں کرتا، الا یہ کہ اس (حکم) کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو)

لہٰذا کونسل کی طرف سے تین دن تک لازمی طور پر مہلت دینے کا فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت، مذہب شوافع اور علامہ ابن الہمام کی تحقیق پر مبنی ہے۔

دوسرا عدالت کو یہ اختیار دینا کہ وہ تین دن سے زائد بھی ایک ماہ تک مہلت دے سکتی

۲۴۔ حوالہ بالا، ۳۱: ۲۲۱

۲۵۔ حوالہ بالا، ۱۳: ۲۲۱

ہے۔اس کی کوئی فقہی بنیاد معلوم نہیں ہو سکی، بلکہ گزشتہ صفحے میں علامہ سرخسیؒ کی عبارت سے تو واضح ہوا کہ تین دن سے زائد کی مہلت نہیں دی جا سکتی۔ جیسا کہ انہوں نے یہ دوٹوک انداز میں تحریر کیا:"يمهله ثلاثة أيام، لا يزيده على ذلك"

اس میں تین دن سے زائد کی واضح طور پر نفی کی گئی ہے، البتہ اس موضوع پر مطالعہ کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قول ملا، جس میں ایک ماہ تک کی مہلت دینے کی اجازت دی گئی ہے۔ حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"هل يكتفي بالمرة أولابد من ثلاث و هل الثلاث في مجلس أو في يوم أو في ثلاثة أيام، و عن علي يستتاب شهرًا"[۲۶]

البتہ بعد کے کسی فقیہ نے شاید یہ قول اختیار نہیں کی، الہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ کونسل کی طرف سے ایک ماہ تک کی مہلت دینے کی اجازت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس قول کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا کونسل کی طرف سے ایک ماہ تک کی مہلت کی اجازت دینا محل نظر ہے، اس کی کوئی شرعی یا فقہی بنیاد معلوم نہیں ہوئی، جبکہ تین دن کی مہلت متعدد احادیث سے ثابت ہوتی ہے، اور فقہا نے بھی تین دن کی مہلت کا قول اختیار کیا ہے۔

۲-جرم ارتداد کا تکرار

کونسل نے مسودۂ قانون کی دفعہ ۶ میں جرم ارتداد کے تکرار کی صورت میں سزا کا ذکر کیا ہے ،اور دوسری یا تیسری بار یہ جرم دہرانے کی صورت میں توبہ قبول کرنے کے باوجود قید کی سزا کا ذکر کیا ہے، اور چوتھی بار ارتداد کے ارتکاب کی صورت میں توبہ کی دعوت اور مہلت نہ دینے کا ذکر ہے، دفعہ کی متعلقہ عبارت حسب ذیل ہے:

''اگر کوئی شخص دوسری یا تیسری بار جرم ارتداد کا ارتکاب کرے گا تو اسے بلالحاظ اس امر کے کہ اس کی توبہ قبول کر لی گئی ہے، قید بامشقت یا قید سادہ کی سزا دی جائے گی، جس کی

۲۶- أحمد بن علی، ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، دارالمعرفۃ بیروت ۱۳۷۹ھ ۱۲: ۲۷۰

میعاد دو سال تک ہو سکتی ہے۔ مزید شرط یہ ہے کہ اگر کوئی شخص چوتھی بار جرم ارتداد کا مرتکب ہو تو اس پر قانون ہذا کی دفعہ ۵ لاگو نہیں ہو گی، بلکہ دفعہ ۷ میں دی گئی سزا کا مستوجب ہو گا"۔

تجزیہ

جہاں تک ایک سے زائد دفعہ ارتداد کے مرتکب کے لیے توبہ قبول ہونے کے باوجود سزائے قید کا ذکر ہے تو وہ اس وجہ سے ہے تاکہ وہ شخص اس عمل سے باز آئے اور استخفاف کا مرتکب نہ ہو۔ فقہائے کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ ایک سے زائد دفعہ اس جرم کے مرتکب کو قید و بند کی سزا دی جائے گی، جیسا کہ حنفیہ کی نوادر کی روایت میں ہے:

"ذكر في النوادر أنه إذا تكرر ذلك منه يضرب ضرباً مبرحاً لجنايته ثم يحبس إلى أن يظهر توبته و خشوعه"[۲۷]۔

(نوادر میں مذکور ہے کہ جب بار بار اس سے یہ جرم سرزد ہو تو اسے اس جرم کی وجہ سے اچھی طرح مارا جائے، پھر اسے اس وقت تک قید میں رکھا جائے جب تک اس کی توبہ اور تابعداری واضح نہ ہو جائے)۔

دیگر کتب فقہ، مثلا بدائع الصنائع اور الدر المختار وغیرہ میں بھی یہ تصریح مذکور ہے، لہٰذا یہ سزائے قید بالکل قرین قیاس اور مطابق حال ہے۔

لیکن چوتھی بار ارتداد کے مرتکب کے بارے میں جو عبارت لکھی گئی ہے کہ اس پر دفعہ ۵ کے بجائے دفعہ ۷ میں دی گئی سزا جاری ہو گی، اس سے ظاہری مفہوم یہی نکلتا ہے کہ اسے سزائے موت دی جائے گی اور توبہ کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ دفعہ (۵) میں توبہ کی مہلت اور مطالبے کا ذکر ہے۔ جبکہ دفعہ (۷) میں سزائے موت کے نفاذ کا ذکر ہے اور یہاں الفاظ یہی استعمال کیے گئے ہیں "دفعہ (۷) میں دی گئی سزا کا مستوجب ہو گا"۔ جس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ چوتھی دفعہ ارتداد کے مرتکب کی توبہ

۲۷۔ المبسوط، ۱۰: ۱۶۹

قبول نہیں کی جائے گی اور اسے سزائے موت دے دی جائے گی، یہ موقف حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے، جیسا کہ علامہ سرخسی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

و كان علي و ابن عمر رضي الله عنهما يقولان إذا ارتد رابعاً لم تقبل توبته بعد ذلك و لكن يقتل على كل حال لأنه ظهر أنه مستخف مستهزئ و ليس بتائب و استدلا بقوله عزوجل "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ"۔(النساء:۱۳۷)[۲۸]

(حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب چوتھی دفعہ ارتداد کا ارتکاب کرے تو اس کے بعد اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی بلکہ اسی وقت اسے قتل کیا جائے گا؛ کیونکہ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ استخفاف اور استہزا کا مرتکب ہے، توبہ کرنے والا نہیں ہے، ان دونوں حضرات نے ارشاد باری تعالیٰ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ" (الآیۃ) سے استدلال کیا ہے)

جبکہ فقہائے احناف نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ چوتھی دفعہ بھی توبہ قبول کی جائے گی ،چنانچہ علامہ کاسانی یہ موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"كذا في المرة الثالثة والرابعة، وجود الإيمان ظاهراً فی كل مرة لوجود ركنه، و هو إقرار العاقل و قال الله تعالىٰ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا""فقد أثبت سبحانه و تعالىٰ الإيمان بعد وجود الردة منه والإيمان بعد وجود الردة لا يحتمل الرد"[۲۹]۔

اس میں اسی آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب اس آیت میں ایک سے زائد بار

۲۸۔ حوالہ بالا

۲۹۔ علاؤ الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني (م: ۵۸۷ھ) بدائع الصنائع، دارالكتب العلميه ۱٤۰٦ھ، ۱۵: ٤۲۲

ارتداد کے باوجود توبہ قبول ہونے کا اشارہ ہے تو معلوم ہوا کہ ارتداد کے بعد توبہ قبول ہوتی ہے، لہٰذا چوتھی بار بھی ارتداد کے بعد ایمان قبول ہونا چاہیے۔

اس لیے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی بار والے کو بھی دوسری و تیسری بار والے کے ساتھ ہی شامل رکھا جاتا اور اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہ کیا جاتا تو یہ زیادہ بہتر تھا۔

سزائے ارتداد اور معاصر رجحانات

اسلامی نظریاتی کونسل نے مسودۂ قانون کی دفعہ (۷) میں مرتد مرد کے لیے سزائے موت تجویز کی ہے۔ ارتداد کی سزا کے بارے میں دور جدید میں نئے رجحانات سامنے آئے ہیں، جن میں اس کی سزائے قتل کو تسلیم نہیں کیا جاتا، جیسا کہ سابقہ صفحات میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ اور اس کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا موقف گزر چکا ہے۔ جناب جاوید احمد غامدی بھی اسی موقف کے حامی ہیں کہ مرتد کی سزا موت نہیں ہے، ان سے قبل جناب غلام احمد پرویز اور دیگر کئی جدید محققین نے یہی موقف اختیار کیا ہے کہ شرعاً ارتداد کی سزا موت نہیں ہے۔

جدید موقف کے قائلین اس سلسلے میں جو اعتراضات و دلائل ذکر کرتے ہیں ان کا حاصل حسب ذیل ہے:

۱. ارتداد کی مذمت اور اس پر وعید تو قرآن کریم میں مذکور ہے لیکن اس پر کوئی سزا مذکور نہیں ہے۔

۲. قرآن کریم میں دین کے بارے میں جبر و اکراہ سے منع کرتے ہوئے ارشاد ہے: "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ"۔ لہٰذا اگر اسلام کو ترک کرنے والے کے لیے موت کی سزا ہو گی تو اس کا مطلب ہے کہ اس پر جبر و اکراہ کیا جا رہا ہے۔

۳. ارتداد کی سزا سے متعلق روایات حدیث کے بارے میں یہ دعویٰ ہے کہ ان میں محض ارتداد کے باعث قتل کی سزا نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ دیگر جرائم جیسے بغاوت اور حرابہ بھی

شامل ہوئے تھے، اس لیے ان مرتدین کو ان جرائم کی وجہ سے قتل کرنے کا حکم دیا، یا عملی طور پر قتل کیا گیا۔

۴. اس موقف کے حاملین میں سے جناب جاوید احمد غامدی نے الگ سا موقف اپناتے ہوئے یہ کہا کہ حدیث میں جس ارتداد کی سزا مذکور ہے وہ ایک عام حکم کے طور پر نہیں ہے، بلکہ خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم امیین کے لیے یہ حکم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم تو بے شک ثابت ہے، مگر ہمارے نزدیک، یہ حکم عام نہ تھا، بلکہ صرف انہی لوگوں کے ساتھ خاص تھا، جن میں آپ کی بعثت ہوئی اور جن کے لیے قرآن مجید میں ''امیین'' یا ''مشرکین'' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے''(۳۰)۔

پھر اس مسئلے پر مکمل بحث کرنے کے بعد آخر میں تحریر کرتے ہیں:

> "یہ بالکل واضح ہے کہ اب اگر کوئی شخص اسلام کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے اور اس کے ساتھ کسی فساد کا مرتکب نہ ہو تو قرآن و سنت کی رو سے مجرد اس ارتداد پر اسے کوئی سزا نہیں دی جا سکتی"(۳۱)۔

جمہور کا موقف

اس کے برعکس جمہور امت اور بالاتفاق تمام فقہائے کرام کا موقف ہے کہ مرتد کی سزا موت ہے اور محض ارتداد کی سزا موت ہے۔ اس کے ساتھ مزید کسی جرم کی شمولیت ضروری نہیں ہے، بلکہ خود نفس ارتداد ہی فساد اور اسلام سے اعلان جنگ ہے۔

اس موقف کے اثبات میں متعدد تحریریں اس سے قبل لکھی جا چکی ہیں، جیسا کہ مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی علیہ الرحمۃ کا رسالہ "مرتد کی سزا اسلام میں" اور مولانا مودودی علیہ الرحمۃ کا رسالہ "مرتد کی سزا" یہ دونوں رسالے بہترین دلائل پر مشتمل ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے اہل علم و تحقیق نے اس

۳۰۔ اشراق، دسمبر ۱۹۸٤ء

۳۱۔ حوالہ بالا

موضوع کو اپنی تحقیق کا میدان بنایا ہے۔ یہاں اختصار کے ساتھ ارتداد کی سزا کے شرعی دلائل ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ دور جدید کے محققین کی طرف سے پیش کیے جانے والے شبہات کے ازالے کی کوشش کی جائے گی۔

سزائے ارتداد اور قرآن کریم:

جرم ارتداد کی کے لیے سزائے موت قرآن وسنت سے ثابت ہے اور اس پر ایک سے زائد دلائل موجود ہیں، اس باب میں سخت قسم کی غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے، جب یہ جملہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم میں ارتداد کی سزا مذکور نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے یہ تاثر نکلتا ہے کہ گویا شرعی سزا کے لیے صرف قرآن کریم کی آیت ضروری ہے، حالانکہ سنت قرآن کریم سے الگ نہیں ہے، قرآن کریم ہی کی تعبیر وتشریح ہے، لہٰذا کسی بھی حکم شرعی کے ثبوت کے حوالے سے درست تعبیر قرآن وسنت ہے۔ فقہائے کرام اور بعد کے محققین نے متعدد آیات قرآنی کو سزائے ارتداد کے لیے بطور استشہاد پیش کیا ہے، ان میں سے چیدہ چیدہ کا ذکر حسب ذیل ہے:

فقہ حنفی کے مایہ ناز فقیہ شمس الائمہ سرخسی علیہ الرحمۃ نے دلیل کے طور پر سورہ فتح کی آیت سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"والأصل في وجوب قتل المرتدين قوله تعالى "أو يسلمون" (الفتح: ١٦) قيل الآية في المرتدين"[۳۲]

(مرتد افراد کو وجوباً قتل کرنے کے بارے میں دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے "أو يسلمون" ایک قول کے مطابق یہ آیت مرتد افراد کے بارے میں ہے)

استدلال کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ فتح کی اس آیت میں اہل ردت سے اس وقت تک قتال کرنے کا حکم مذکور ہے، جب تک کہ وہ دوبارہ اسلام قبول نہیں کرلیتے۔ یعنی مرتد افراد قتل کے مستحق

۳۲۔ المبسوط للسرخسی، ۱۰: ۱٦٧

ہیں الا یہ کہ اسلام میں واپس آجائیں۔ باقی یہ تحقیق کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ نہیں؟ کتب تفسیر کی طرف مراجعت کرنے سے باآسانی معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ تفسیر طبری سے لے کر بعد کی اکثر تفاسیر میں اس آیت کے مصداق کے بارے میں جو اقوال مذکور ہیں، ان میں ایک قول یہی ہے، جس کی طرف علامہ سرخسی نے اشارہ کیا ہے۔ اور تفسیر روح المعانی میں علامہ آلوسی نے لکھا ہے:

وهم على ما أخرج ابن المنذر والطبراني عن الزهري بنو حنيفة مسيلمة وقومه أهل اليمامة، وعليه جماعة، وفي رواية عنه زيادة أهل الردة وروي ذلك عن الكلبي، وعن رافع بن خديج إنا كنا نقرأ هذه الآية فيما مضى ولا نعلم من هم حتى دعا أبو بكر رضي الله تعالى عنه إلى قتال بني حنيفة فعلمنا أنهم أريدوا بها[۳۳]۔

"اس آیت میں مذکور قوم سے مراد بنو حنیفہ مسیلمہ اور اس کی قوم اہل یمامہ ہیں۔ جیسا کہ ابن المنذر اور طبرانی نے زہری سے نقل کیا ہے، مفسرین کی ایک جماعت کا بھی یہی موقف ہے، ان سے ایک روایت کے مطابق اس سے مراد وہ صورت حال ہے کہ جس میں ارتداد زیادہ ہو گیا اور یہ بات کلبی اور حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم پہلے یہ آیت تلاوت کرتے تھے لیکن ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں، حتیٰ کہ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بنو حنیفہ سے قتال کی طرف بلایا تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ اس سے مراد یہ لوگ ہیں"۔

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ سورہ فتح کی اس آیت سے مرتدین کے قتل پر استدلال درست ہے اور اس کی تفسیر میں ایک قول یہی ہے کہ یہ آیت فتنہ ارتداد کے بارے میں ہے۔ اس سے ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ میں پیش کردہ اس دعویٰ کا بھی جواب ہو گیا کہ فقہائے کرام نے سزائے

۳۳۔ شهاب الدين محمود بن عبد الله الآلوسی (م: ۱۲۷۰ھ)، روح المعانی، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱٤۱۵ھ، ۱۳/ ۲٥٦

ارتداد کے لیے کسی آیت سے استدلال نہیں کیا۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے سزائے ارتداد کے لیے حسب ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِىِٕكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِىِٕكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ هوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ (البقرہ:۵۴)[۳۴]

اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم میں سے جن افراد نے بچھڑے کی پرستش کرکے ارتداد کا ارتکاب کیا تھا، ان کے لیے سزائے قتل کا ذکر ہے اور قرآن کریم میں جہاں کہیں سابقہ شریعتوں کا حکم اس انداز سے مذکور ہو کہ اس کی تردید یا اس پر نقد نہ ہو تو وہ اس امت کے لیے بھی حکم شرعی قرار پاتا ہے۔ تاہم اس آیت سے استدلال میں کلام ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں قتل ہی کو توبہ قرار دیا ہے، جبکہ ہماری شریعت میں توبہ بغیر قتل کے بھی ممکن ہے۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی علیہ الرحمۃ نے سورہ مائدہ کی آیت حرابہ سے استدلال کیا۔ اور مفسرین جیسا کہ طبری، ابن کثیر وغیرہ نے اس آیت کے نزول کے بارے میں جو اقوال نقل کیے ہیں، ان میں نمایاں قول یہی ہے کہ یہ ان افراد سے متعلق آیت ہے جو عہد رسالت میں ہی جرم ارتداد کے مرتکب ہو گئے تھے۔ مفسرین کے علاوہ محدثین نے بھی اس آیت کو فتنۂ ارتداد کی سزا کے استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرتدین کے احکام کا تذکرہ شروع کیا اور کتاب کا عنوان قائم کیا "كتاب المحاربين من أهل الكفر والردة" تو قرآن کریم کی جس آیت کو بطور استدلال ذکر کیا وہ یہی سورہ مائدہ کی آیت ہے۔[۳۵]

یہ آیت کریمہ جن افراد کے بارے میں نازل ہوئی تھی ان میں ردت اور قطع الطریق دونوں

۳۴۔ اسلامی نظریاتی کونسل، رپورٹ اسلامی کریمنل لاء، ص ۴۷

۳۵۔ محمد بن اسماعیل بخاری، صحیح بخاری، باب: ۹۰

امور پائے جاتے تھے، اس لیے بہت سے علما وفقہا نے اس آیت کو قطاع الطریق کی سزا کے لیے بنیاد بنایا، جبکہ دیگر حضرات نے اسے ارتداد کی سزا کے لیے بنیاد بنایا۔ تاہم اتنی بات تو واضح ہوگئی کہ قرآن کریم کی یہ آیت بھی سزائے ارتداد کے لیے بنیاد بن سکتی ہے۔

ان آیات کے علاوہ بھی دیگر کچھ قرآنی آیات جیسا کہ سورہ توبہ کی آیات سے مرتد کے واجب القتل ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس سزا کے بارے یہ دعویٰ کہ اس کا قرآن کریم سے ثبوت نہیں ہے، قابل اعتنا نہیں ٹھہرتا۔

سزائے ارتداد اور سنت:

سنت نبوی سے بھی واضح اور دوٹوک انداز میں ارتداد کے لیے سزائے موت کا ثبوت ہوتا ہے، اور ان میں صرف اسی جرم ارتداد پر سزائے موت کا تذکرہ ہے، مزید کسی جرم کی موجودگی ضروری نہیں۔ اس سلسلے کی احادیث متعدد ہیں چند ایک حسب ذیل ہیں: من بدل دينه فاقتلوه[۳۶]

یہ روایت صحیح بخاری میں ایک سے زائد مقامات میں آئی ہے اور اس کے علاوہ بھی دیگر متعدد مستند کتب حدیث میں مذکور ہے [جیسا کہ علامہ عینی اس کی تخریج کے بارے لکھتے ہیں:

وَأخرجه أَبُو دَاوُد فِي الْحُدُود عَن أَحْمد بن حَنْبَل. وَأخرجه التِّرْمِذِيّ فِيهِ عَن أَحْمد بن عَبدة الضَّبِّيّ. وَأخرجه النَّسَائِيّ فِي الْمُحَارَبَة عَن مُحَمَّد بن عبد الله المَخْزُومِي وَعَن عمرَان بن مُوسَى وَعَن مَحْمُود بن غيلَان. وَأخرجه ابْن مَاجَه فِي الْحُدُود عَن مُحَمَّد ابْن الصَّباح[۳۷]

"اسی روایت کو ابو داود نے احمد بن حنبل سے حدود میں، ترمذی نے حدود میں احمد بن عبدۃ الضبی سے، نسائی نے محاربہ میں محمد بن عبد اللہ المخزومی، عمران بن موسیٰ اور محمود بن غیلان سے اور ابن ماجہ نے حدود میں محمد بن الصباح سے روایت کیا ہے"۔

۳۶- صحیح بخاری، باب حکم المرتد والمرتدة واستتابتهم حدیث: ٦٥٢٤

۳۷- محمود بن احمد، بدر الدین العینی (م: ۸۵۵ھ)، عمدة القاری، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ١٤: ٢٦٤

اس روایت کے علاوہ بھی متعدد روایات حدیث سے مرتد کی سزائے موت کا ثبوت ملتا ہے اور ان میں ساتھ مزید کسی جرم کا ارتکاب ہونا مذکور نہیں ہے، جس سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت میں جرم ارتداد کی سزا موت ہے، اسی لیے خلفائے راشدین نے بھی اپنے اپنے عہد میں میں مرتدین کو سزائے موت دی اور ائمہ اربعہ نے متفقہ طور پر اس جرم کی سزا موت ہی تجویز کی، اسی لیے متعدد کتب فقہ میں اس پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ابن المنذر نے کتاب الاجماع میں اور دیگر فقہائے کرام نے بھی ارتداد کی بحث میں اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

۴-مرتد عورت کی سزا

اسلامی نظریاتی کونسل کے مسودۂ قانون کی دفعہ ۷ (۲) میں مرتد عورت کے لیے سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"۲-جو کوئی عورت جرم ارتداد کا ارتکاب کرے گی اسے قید میں رکھا جائے گا تا آنکہ وہ اپنے جرم سے توبہ کرے"۔

تجزیہ

گویا مرتد عورت کو سزائے موت نہیں دی جائے گی، عورت کو موت کی سزا نہ دینے کی دلیل احادیث میں بیان ہوئی ہے۔ مرتد کو قتل کرنے والی روایت جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ان میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی ہیں، انہی سے یہ روایت بھی مروی ہے کہ مرتد عورت کو قتل کی سزا نہیں دی جائے گی، چنانچہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"إن أبا حنيفة حدثني عن عاصم بن أبي رزين عن ابن عباس قال: لا يقتل النساء إذا هن ارتددن عن الإسلام ولكن يحبسن ويدعين إلى الإسلام ويجبرن عليه"[۳۸]

---

[۳۸]- أبو يوسف يعقوب، الخراج، المطبعة السلفية، ۱۳۸۲ھ، ص: ۱۸۰

اس میں یہی مضمون وارد ہے کہ عورت مرتد ہو جائے تو اسے قتل کرنے کے بجائے قید میں رکھا جائے گا اور اسلام لانے پر مجبور کیا جائے گا۔

چونکہ سزائے ارتداد کی روایت کے راوی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں اس لیے روایت کی توضیح و تاویل میں ان کی بات زیادہ مضبوط قرار پائی ہے، مؤطا کی شرح میں لکھا ہے:

وَحُجَّةُ مَنْ قَالَ لَا تُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رَوَى هَذَا الْحَدِيثَ وَقَالَ لَا تُقْتَلُ الْمُرْتَدَّةُ وَمَنْ رَوَى حَدِيثًا كَانَ أَعْلَمَ بِتَأْوِيلِهِ وَقَوْلُ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي ذَلِكَ رَوَاهُ الثَّوْرِيُّ وَأَبُو حَنِيفَةَ عَنْ عَاصِمٍ عَنْ أَبِي رَزِينٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَرَوَى قَتَادَةُ عَنْ خَلَاصٍ عَنْ عَلِيٍّ مِثْلَهُ وَهُوَ قَوْلُ الْحَسَنِ وَعَطَاء[۳۹]

"ان حضرات کی دلیل جنھوں نے کہا ہے کہ مرتد عورت کو قتل نہ کیا جائے، یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس نے یہ روایت کی ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ مرتد عورت کو قتل نہ کیا جائے، اور جو حدیث کا راوی ہوتا ہے وہ اس کی تاویل کو زیادہ بہتر جانتا ہوتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول امام ثوری اور امام ابو حنیفہ نے عاصم سے انھوں نے ابو رزین سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے، اور قتادہ نے خلاص سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسا ہی قول نقل کیا ہے اور حضرت حسن اور عطا کا بھی یہی موقف ہے"۔

نیز عمومی طور پر خواتین کو قتل نہ کرنے کی جو روایات ہیں وہ بھی اس کی بنیاد ہیں۔ فقہا میں سے احناف نے یہ موقف اختیار کیا ہے، البتہ دیگر ائمہ فقہ نے ارتداد کی روایت کو اپنے عموم پر رکھتے ہوئے قتل کے حکم کو مرتد عورت پر بھی جاری کیا ہے۔ جو معاصر محققین ارتداد پر قتل کی سزا کے حامی نہیں ہیں، وہ عورت پر سزائے قتل کے نفاذ کے بھی حامی نہیں ہیں۔ لہٰذا یہ دفعہ فقہائے احناف کے

۳۹- ابو عمر یوسف بن عبد اللہ النمری القرطبی (م: ٤٦٣ھ) التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید، وزارۃ عموم الأوقاف والشؤون، المغرب، ۱۳۸۷ھ، ۵: ۳۱۳

موقف کے مطابق ہے۔

۵-مرتد کے مال میں اجرائے وراثت

کونسل نے اپنے مسودۂ قانون کی دفعہ ۸ (۳) میں مرتدہ کی موت کی صورت میں اس کے مال کو ورثا میں تقسیم کرنے سے متعلق حسب ذیل دفعہ تجویز کی ہے:

"جہاں جرم ارتداد کا مرتکب پائے جانے پر کسی شخص پر سزائے موت جاری ہو گئی تو اس کے ارتکاب جرم سے پہلے کی مکسوبہ املاک اس کے مسلم ورثا کی طرف منتقل ہو جائیں گی اور ارتکاب جرم کے بعد حاصل شدہ املاک بحق سرکار ضبط ہو جائیں گی"۔

تجزیہ

اس میں مرتد کے زمانہ اسلام میں کمائے گئی املاک کو مسلم ورثا میں تقسیم کرنے کا کہا گیا ہے، جبکہ زمانۂ ردت کی کمائی سرکاری خزانے میں جمع کرانے کی بات کی گئی ہے، اس پر کچھ بحث ابتدائی صفحات میں ادارہ تحقیقات اسلامی کے تحقیقی نوٹ کا تجزیہ کرنے کے ضمن میں آچکی ہے، دلیل امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت ہے:

قلت: فإن أبى أن يسلم فقتله الإمام، أيقسم ماله بين ورثته على فرائض الله تعالى؟ قال: نعم. قلت: فهل بلغك في هذا أثر؟ قال: نعم، بلغنا عن علي بن أبي طالب أنه قتل مرتداً وقسم ماله بين ورثته على فرائض الله تعالى. وبلغنا نحو من ذلك عن علي وعبد الله بن مسعود[٤٠]

"میں نے سوال کیا کہ جب مرتد اسلام قبول کرنے سے انکاری ہو اور امام اسے قتل کر دے تو کیا اس کا مال اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ فرائض میراث کے مطابق ورثا میں تقسیم ہو گا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں، میں نے سوال کیا کہ آیا آپ کو اس بارے میں کوئی اثر پہنچا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں! حضرت علیؓ نے ایک مرتد کو قتل کیا اور اللہ کی

٤٠- ابوعبداللہ محمد بن حسن الشیبانی (م: ۱۸۹ھ)، الاصل دارابن حزم، بیروت ١٤٣٦ھ، ٧: ٤٩٣

طرف سے طے کردہ حصوں کے مطابق ان کے ورثا میں اس کا مال تقسیم کیا، اسی طرح کی روایت عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی پہنچی ہے"۔

یہ مسلمان کو کسی کافر کی وراثت کا حق دار قرار نہیں دیا گیا بلکہ ایک مسلمان کو مسلمان ہی کا وارث قرار دیا گیا ہے، اس لیے کہ مسلمان ورثا کو صرف اسی مال و املاک کا حصہ دار قرار دیا گیا ہے، جو اس نے حالت اسلام میں کمائے، جبکہ زمانۂ ارتداد کی کمائی کو سرکاری خزانے میں جمع کرانے کا کہا گیا۔

۶۔ عورت کے ارتداد کی صورت میں عدت

کونسل نے دفعہ ۱۰ (۳) اور (۴) میں مرتد عورت کی عدت کا ذکر کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

۱. مرتدہ کی عدت تین طہر یا تین مہینے یا حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل ہو گی۔

۲. مرتدہ کے عدت کے دوران توبہ کر لینے کی صورت میں خاوند سے اس کا نکاح بر قرار رہے گا۔ لیکن عدت کے بعد توبہ کر لینے کی صورت میں خاوند سے اس کا تجدید نکاح جائز ہو گا۔

تجزیہ

اس دفعہ میں ضمنی طور پر یہ دعوی ہے کہ عورت کے ارتداد کی صورت میں اس کا نکاح فسخ ہو جائے گا، اسی لیے اس پر عدت لازم کی گئی ہے، البتہ عدت کے اندر اندر توبہ کی صورت میں نکاح بحال رکھا گیا ہے۔ اس میں یہ اشکال پیش آتا ہے کہ اگر عورت عدت میں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ارتداد سے اس کا نکاح فسخ ہو چکا اور عدت کے اندر اندر توبہ کر لینے کی صورت میں نکاح بر قرار رہنے کی بات کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح ختم نہیں ہوا۔ اس میں ذرا تفصیل سے بحث کرنے کی ضرورت ہے سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ آیا عورت کے ارتداد سے نکاح فسخ ہو گا یا نہیں؟ اس بارے میں فقہی اقوال مختلف ہیں۔ شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ کے ہاں ارتداد کی وجہ سے نکاح کا فسخ عدت مکمل ہونے تک موقوف رہتا ہے۔ ڈاکٹر وہبہ زحیلی لکھتے ہیں۔

قال الشافعية، والحنابلة والمالكية: لو ارتد الزوجان أو أحدهما قبل

الدخول تنجزت الفُرْقة، أي انفسخ النكاح في الحال. وإن كانت الردة بعد الدخول، توقفت الفرقة أو الفسخ على انقضاء العدة[۴۱]

"شافعیہ، حنابلہ اور مالکیہ نے کہا ہے کہ اگر دونوں میاں بیوی یا ان میں سے کوئی ایک قبل الدخول مرتد ہو گیا تو فوری طور پر نکاح فسخ ہو جائے گا اور بعد الدخول ارتداد کا ارتکاب ہوا تو پھر فسخ نکاح عدت کے مکمل ہونے پر موقوف ہو گا"۔

جبکہ فقہائے احناف کے ہاں تین اقوال ہیں **پہلا قول** یہ ہے کہ عورت کے ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ ہو جائے گا لیکن عورت کو تجدید ایمان اور تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔ یہی ظاہر الروایہ ہے اور متعدد حضرات نے اسی کو فتوے کے لیے اختیار کرنے کی بات بھی کی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ عورت کے ارتداد کی صورت میں نکاح فسخ ہی نہ ہو گا، بلکہ دونوں بدستور میاں بیوی رہیں گے، لیکن جب تک عورت توبہ نہیں کر لیتی جماع اور دواعی جماع کی اجازت نہیں ہو گی۔ مشائخ بلخ وسمرقند نے اس قول کو اختیار کیا اور وہ اسی کے مطابق فتوی دیتے تھے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دارالاسلام میں یہ عورت اسی خاوند کے قبضہ واختیار میں رہے گی، لیکن بحیثیت کنیز وباندی۔ یہ روایت نوادر کی ہے جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے۔

متاخرین حنفی فقہائے کرام نے دوسرا قول اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے، یعنی نکاح فسخ نہ ہو جیسا کہ علامہ زیلعی صاحب النہر الفائق نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ در مختار میں ان روایات واقوال کے ذکر کے بعد لکھا ہے۔

و أفتى مشايخ بلخ بعدم الفرقة بردتها --- قال فى النهر والإفتاء بهذا أولىٰ[۴۲]۔

اس میں انھوں نے مشائخ بلخ کی روایت وفتوی کے موافق رائے اختیار کرنے کو بہتر قرار دیا ہے۔ مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس مسئلے کی تحقیق کر کے مشائخ بلخ کی روایت وفتوے کو اپنے حالات کے زیادہ موزوں قرار دیا ہے، لیکن اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ عورت کی طرف سے

۴۱۔ وهبه الزحيلى،الدكتور، الفقه الاسلامى وادلته،درالفكر، بيروت،۹: ۱۵۰

۴۲۔ محمد بن على بن محمد الحصكفى، علاؤالدين، الدرالمختار، دارالفكربيروت ۱۴۱۲ھ، ۳:۱۹۴

تجدید اسلام کے بعد تجدید نکاح بھی ضروری ہے، اس کو احتیاط کا تقاضا قرار دیا ہے اور اس کی حد تک ظاہر الروایہ کو ترک کرنا مناسب نہیں سمجھا چنانچہ لکھتے ہیں۔

"پھر تجدید اسلام کے بعد ظاہر الروایہ کے موافق تجدید نکاح بھی ضروری ہے، بغیر اس کے استمتاع جائز نہیں مگر مشائخ بلخ کے قول پر تجدید نکاح شرط نہیں۔۔۔ لیکن اس خاص جزو میں ظاہر الروایۃ کو ترک کرنے کی کوئی ضرورت داعی نہیں، لہذا تجدید نکاح کو بھی ضروری کہا جائے گا کہ اس میں احتیاط ہے"[۴۳]۔

آخر میں بطور خلاصہ لکھا ہے:

"اس فتوے کا یہ حاصل ہوا کہ عورت بدستور سابق خاوند کے پاس رہے گی، دوسرے شخص سے ہرگز نکاح جائز نہیں لیکن جب تک تجدید اسلام کر کے تجدید نکاح نہ کرے اس وقت تک اس کے ساتھ جماع اور دواعی جماع کو جائز نہیں کہا جائے گا"[۴۴]۔

ان اقوال کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کونسل کے تیار کردہ مسودۂ قانون میں ائمہ ثلاثہ کے موقف کو پیش نظر رکھا گیا ہے، اسی لیے لکھا ہے کہ دوران عدت توبہ کرنے کی صورت میں نکاح برقرار رہے گا۔ لیکن پھر قبل الدخول اور بعد الدخول کی دونوں صورتوں کو مسودۂ قانون میں شامل کرنا چاہیے تھا، تاکہ ان کے مذہب کو پوری طرح اختیار کیا جائے۔

کونسل نے اپنی دانست کے موافق اگرچہ ائمہ ثلاثہ کے قول کو زیادہ مناسب خیال کیا، لیکن ہمارے حالات کے زیادہ موافق حنفیہ کا قول تھا اور اسکی بھی وہ صورت جو متاخرین احناف نے اختیار کی ہے، بطور خاص وہ تفصیل جو مفتی محمد شفیع صاحب کے فتوے میں اختیار کی گئی ہے۔

توہینِ رسالت کے مرتکب مرتد کی توبہ کا حکم:

مؤرخہ ۲۵ اپریل ۲۰۰۳ء وزارتِ قانون وانصاف اور انسانی حقوق ڈویژن نے اپنے مراسلے کے ہمراہ وزارتِ خارجہ کی ایک تحریر منسلک کی، جس میں توہینِ رسالت کے مرتکب شخص کی توبہ قبول کرنے سے متعلق تجویز پیش کی گئی تھی۔ کونسل نے اس اہم مسئلے کو زیرِ غور لانے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت

۴۳- محمد شفیع عثمانی، مفتی، جواہرالفقہ مکتبہ سیرت النبی، دیوبند، ۲: ۱۳۸

۴۴- حوالہ بالا، ص ۲: ۱۳۸- ۱۳۷

کونسل کے چیئرمین ڈاکٹر شیر محمد زمان نے شعبۂ تحقیق کو ایک نوٹ لکھا کہ یہ نقطہ تحقیق طلب ہے کہ آیا توہینِ رسالت کی صورت میں اگر ملزم توبہ کرلے یا ندامت وپشیمانی کا اظہار کرے تو کیا عدالت اس کے پیش نظر اسے بری کرسکتی ہے؟ اس کے ساتھ اپنی ذاتی رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ شاید علما کا زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ عدالتوں یا امّت میں سے کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے۔ حضور رسالت مآب ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں اس قسم کے مجرموں کو سزا بھی دی اور معاف بھی کیا، مگر یہ حق کسی اور کو حاصل نہیں، کیونکہ یہ جرم آپ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے خلاف ہے اور آپ ﷺ کی رحلت کے بعد یہ حق کسی اور کو حاصل نہیں۔

وزارتِ خارجہ کی سمری ایک خاص تناظر میں تھی، جس کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکٹر یونس شیخ نامی ایک شخص کے خلاف توہینِ رسالت کا کیس چل رہا تھا، وزارتِ خارجہ نے اپنی سمری میں دیگر امور کے ساتھ یہ بات بھی لکھی تھی کہ "اگر عدالتِ عالیہ پنجاب اور عدالتِ عظمیٰ اپنا فیصلہ برقرار رکھتی ہے اور ڈاکٹر یونس بذریعہ اقرارنامہ یہ بیان دیتا ہے کہ اس کا توہینِ رسالت کے ارتکاب کا کبھی ارادہ نہیں تھا، تو صدر ڈاکٹر یونس شیخ کو بخوشی معافی دے سکتے ہیں"۔

کونسل نے اس اہم مسئلے کو علمی وفقہی تناظر کے ساتھ ساتھ زیرِ غور مقدمے اور موجود قانون کو بھی پیش نظر رکھ کر غور کیا۔ کونسل کے سامنے شعبۂ تحقیق کی طرف سے شریک مقالہ ہذا ڈاکٹر انعام اللہ کا تحقیقی مضمون اور جناب مفتی محمد رفیع عثمانی، رکن کونسل کا تحقیقی مضمون بھی پیش کیا گیا۔ شعبہ تحقیق کے مضمون کے اہم نقاط حسب ذیل تھے:

شعبہ تحقیق کے مضمون کا خلاصہ:

۱- توہینِ رسالت کا ارتکاب ائمہ اربعہ کے ہاں موجب کفر ہے اور ایسا شخص موجب قتل ہے۔

۲- یہ قتل کچھ ائمہ کے ہاں بطور حد کے ہے اور دیگر ائمہ کے ہاں بطور ارتداد کی سزا کے ہے۔

۳- پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام کو معاف کرنے اور سزا دینے دونوں کا اختیار تھا، چنانچہ آپ نے دونوں پر ہی عمل کیا۔

۴- توہینِ رسالت کے مرتکب شخص کی توبہ شوافع کے راجح قول اور حضرات احناف کے راجح قول کے مطابق قبول ہے، چاہے گرفتاری سے قبل توبہ کرے یا گرفتاری کے بعد توبہ کرے۔

۵- بحالت موجودہ توہینِ رسالت کے حوالے سے پیش آنے والے واقعات کے مجموعی تناظر میں بظاہر اعدل الاقوال یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبل از گرفتاری توبہ قبول کی جائے، بعد از گرفتاری توبہ قبول نہ کی جائے اور دنیوی احکام کی حد تک سزا کا نفاذ کر دیا جائے۔

مفتی محمد رفیع عثمانی، رکن کونسل کے مضمون کا خلاصہ

جناب مفتی محمد رفیع عثمانی، رکنِ کونسل کے مضمون کا حاصل حسب ذیل نقاط تھے:

۱- توہینِ رسالت کا مرتکب مسلمان ہو تو بالاتفاق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور ثبوتِ جرم کی صورت میں اسے قتل کیا جائے گا، جس کا اختیار صرف حکومتِ وقت کو ہے، عوام کو ایسا اختیار نہیں ہے۔ یہ شق اجماعی ہے اور اس کے دلائل واضح ہیں۔

۲- توہینِ رسالت اگر ذمی (غیر مسلم) کرے تو امام مالک، اہلِ مدینہ، امام احمد بن حنبل، فقہائے حدیث اور امام شافعی علیہم الرحمۃ کے ہاں اسے قتل کی سزا دی جائے گی۔

۳- امام شافعی کے اصحاب کے مختلف اقوال ہیں لیکن امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کے ہاں پہلی دفعہ کے ارتکاب میں قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ مناسب تعزیری سزا دی جائے گی، ارتکابِ جرم مکرر کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔

۴- احناف و شوافع کے ہاں توہینِ رسالت کے مرتکب کی توبہ قبول ہے، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے ہاں اس کی توبہ قبول نہیں ہے اور سزا ساقط نہیں ہو گی۔

۵- فتاویٰ بزازیہ میں جو توبہ قبول نہ کرنے کا قول حنفیہ کی طرف منسوب ہے، یہ غلط فہمی پر مبنی ہے۔

۶- ذمی کی توبہ قبول کرنے میں تین اقوال ہیں:-

أ. اسے بہر صورت قتل کیا جائے

ب. ذمی کی توبہ قبول اور توبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جائے

ج. اسے قتل کیا جائے گا اِلاّ یہ کہ مسلمان ہو جائے یا حقیقی ذمی بن جائے۔

۷- توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں جو دو موقف ہیں ان میں سے کسی کے مطابق بھی حکومت قانون سازی کر سکتی ہے۔ تاہم اگر توبہ قبول کرنے کی صورت نکالی جاتی ہے تو اس کا وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو اس جیسے سنگین جرم کے مطابق ہو اور اس سے تجدید ایمان اور

تجدید نکاح کرایا جائے، اس کی تشہیر بھی اتنی ہو جتنی کہ گستاخی کی ہوئی، یہ شرمندگی کا اظہار کرے، گریہ و زاری سے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے، آئندہ ایسا نہ کرنے کا عزم کرے، اگر کتابی شکل میں توہین کی تھی تو کتاب کے تمام نسخے جلائے جائیں اور یہ اس سے مکمل برأت کا اعلان کرے۔

۸- زیرِ بحث کیس میں معافی کے لیے جو اقرار نامے کے الفاظ ہیں یہ توبہ نہیں ہے بلکہ اپنی غلطی پر اصرار ہے اس لیے یہ قابلِ قبول نہیں۔

دوران بحث کونسل کے ایک معزز رکن جناب جسٹس (ر) امجد علی نے کہا کہ اس مسئلے سے متعلق وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ بھی ملاحظہ کرنا چاہیے، اس میں اس مسئلے سے متعلق دونوں نقطہ ہائے نظر مدلل انداز میں بیان ہوئے ہیں؛ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں شاتم رسول کی توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے بحث کا خلاصہ ذکر کر دیا جائے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا خلاصہ

عدالت کی معاونت کے لیے جو فقہی ماہرین پیش ہوئے تھے ان میں سے مولانا سبحان محمود، مولانا مفتی غلام سرور قادری اور مولانا حافظ صلاح الدین یوسف کی رائے تھی کہ اگر مجرم توبہ کرلے تو اس کی سزا موقوف کر دی جائے۔ جبکہ مولانا سعید الدین شیر کوٹی کا کہنا تھا کہ کم تر سزا بھی دی جا سکتی ہے۔

عدالت میں مولانا سبحان محمود کا موقف پیرا (۴) میں نقل کیا گیا اور اس کے آخر میں لکھا گیا:

"انھوں نے مزید موقف اختیار کیا کہ عمر قید کی سزا شاتم رسول عورت یا غیر مسلم کو دی جا سکتی ہے"۔

اس کے بعد مولانا مفتی غلام سرور قادری کا موقف پیرا (۵) میں ذکر کیا گیا اور اس میں لکھا گیا:

"انھوں نے ان احادیث کے حوالے بھی دیے، جن میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شاتم کو معاف کر دیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے آیات قرآنی اور احادیث رسول پیش کیں۔ یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وہ اس نکتے پر واضح ہیں کہ کس جرم میں توبہ قابل قبول ہے۔ مقتدر حنفی فقہا خصوصاً ابن عابدین کے اقوال کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ شاتم کی توبہ قابل قبول ہے اور یہی فقہائے حنفیہ کا ترجیحی نظریہ ہے"۔

اس کے بعد پیرا(٦) میں مذکور ہے۔

"مولانا حافظ صلاح الدین یوسف نے حنفی فقہا کے نظریے پر اعتماد کیا کہ شاتم کی توبہ قبول کی جاسکتی ہے اور اس کے بعد اسے سزائے موت نہیں دی جائے گی"۔

عدالت نے ان علما کے موقف اور دلائل کے بعد دوسرے نقطۂ نظر کے دلائل ذکر کیے، جن کے مطابق شاتم رسول کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی۔ پوری بحث کے بعد عدالت نے پیرا(۳۲) میں طے کر دیا کہ اس کی توبہ قابل قبول نہیں۔

۳۲- "مندرجہ بالا بحث سے کسی قسم کا شک باقی نہیں رہتا کہ قرآن پاک کے مطابق، جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرمائی ہے اور اس کے بعد امت میں تواتر سے اس پر عمل ہو رہا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی سزا موت ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ ہم نے یہ بھی نوٹ کیا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نے سزا میں کمی یا معافی کا حق استعمال نہیں کیا اور نہ کسی کو اس کا اختیار تھا"[۴۵]۔

تجزیہ:

عدالتی فیصلہ پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ جن فقہی ماہرین نے شاتم رسول کی توبہ قابل قبول ہونے کا موقف اختیار کیا انھوں نے حنفی موقف کا سہارا لیا، جبکہ عدالت نے دیگر فقہا اور امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف پر بنیاد رکھی اور توبہ قبول نہ کرنے کو ترجیح دی۔

دیگر اراکین نے زبانی آرا کا اظہار کیا اور بحث کے بعد حسب ذیل فیصلہ ہوا:

"ڈاکٹر یونس کے بیان پر توبہ کا اطلاق نہیں ہوتا، دونوں نقطۂ نظر (توبہ قبول کرنے یا نہ کرنے) کی تائید میں دلائل موجود ہیں، احناف کا موقف ہے کہ یہ ارتداد ہے، دیگر حضرات اسے حد مانتے ہیں، موجودہ قانون میں توبہ کا ذکر ہی نہیں، اس میں قتل کی سزا کے علاوہ اور کسی سزا کا ذکر نہیں، لہٰذا اسی سزا کو برقرار رکھا جائے"[۴۶]۔

تجزیہ:

۴۵- PLD-FSC-1991 Vol XLILL Page 10، بحوالہ محمد اسماعیل قریشی، ناموس رسول اور قانون توہین رسالت، الفیصل ناشران و تاجران کتب، لاہور، ۱۹۹٤، ص ۳٤۳

۴۶- سالانہ رپورٹ:۲۰۰۳-۲۰۰٤، پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس، اسلام آباد، ص: ۷۲

کونسل نے موجود قانون کا سہارا لیتے ہوئے اس کیس میں توبہ قبول نہ کرنے کا فیصلہ کیا، اگرچہ اس کے ساتھ فقہائے احناف کا راجح قول واضح کر دیا کہ اس میں توبہ قبول کرنے کی گنجائش موجود ہے۔ لیکن چونکہ کونسل کے فرائضِ منصبی میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اگر کسی موجود قانون کے بارے میں یہ محسوس کرے کہ اس میں قرآن و سنت میں منضبط احکام کے خلاف کوئی امر پایا جاتا ہے، تو اس کی نشاندہی کرے لہٰذا اگر کونسل کی نظر میں توبہ قبول کر لینے والا موقف قرآن و سنت کے احکام کے موافق تھا، تو اپنی سفارش میں یہ واضح کرنا چاہیے تھا کہ موجود قانون میں ترمیم کرتے ہوئے توبہ کی گنجائش باقی رکھی جائے اور چونکہ اس قانون کا اطلاق ملک پاکستان کے تمام شہریوں پر بلا تفریق مذہب ہوتا ہے، اس لیے غیر مسلموں سے متعلق شرعی و قانونی صورتحال کو واضح کر دینا چاہیے تھا، جیسا کہ جناب مفتی محمد رفیع عثمانی، رکنِ کونسل نے اپنے تحقیقی مضمون میں اس شق کو بھی واضح کیا ہے۔

خلاصہ بحث

- ۱۹۶۶ء میں کونسل نے مرتد کے بارے میں کہا کہ شرعاً یہ مسلمانوں کا وارث قرار نہیں پا سکتا۔
- اس فیصلے پر ادارہ تحقیقات اسلامی کی طرف سے تنقید کی گئی جسے کونسل نے غیر متعلق تنقید قرار دیا۔ نیز اس تنقید میں فقہا کی عبارات سے غلط استدلال بھی کیے گئے، جن کی وضاحت اس مقالے میں کی گئی ہے۔
- ۱۹۸۱ء میں کونسل نے مرتدین کو سرکاری ملازمت سے برطرف کرنے اور قانون ارتداد کے نام سے ایک قانون نافذ کرنے کی سفارش کی۔
- بعد ازاں وزارت مذہبی امور کے استفسار پر کونسل نے ایک مسودۂ قانون ارتداد مرتب کیا۔
- اس مسودۂ قانون کی کل تیرہ دفعات ہیں، اس مقالے میں اس مسودے کے چھ امور پر بحث کی گئی ہے۔

- مرتد کو تین دن تک توبہ کی مہلت دینا تو درست ہے لیکن ایک ماہ تک مہلت دینے کی گنجائش محل نظر ہے۔
- کسی شخص کی طرف سے چوتھی دفعہ جرم ارتداد کے ارتکاب کی صورت میں اس پر سزائے موت کا اطلاق اور اس کی توبہ قبول نہ کرنے کی دفعہ بھی محل نظر ہے، چوتھی دفعہ بھی اگر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول ہونی چاہیے۔
- معاصر رجحانات میں سے مرتد کی سزائے قتل تسلیم نہ کرنے کا رجحان قرآن و سنت کے دلائل سے مطابقت نہیں رکھتا، اس کے برعکس جمہور امت کا موقف کہ مرتد کی سزا موت ہے، قرآن و سنت کے احکام کے موافق ہے۔
- مرتد عورت کو سزائے موت نہ دینے کی دفعہ قرآن و سنت کے موافق ہے۔
- مرتد کے ان اموال، جو اس نے بحالت اسلام کمائے، میں مسلمان رشتہ داروں کو وارث قرار دینا درست ہے اور یہ حدیث کے معارض نہیں ہے۔
- کسی مسلمان کو توہین رسالت کے جرم کی وجہ سے سزائے موت دینا بطور جرم ارتداد کے ہے، لہٰذا اس میں توبہ قبول ہونی چاہیے، کونسل کو اس میں اپنی رائے واضح کرنی چاہیے۔
- غیر مسلم توہین رسالت کا مرتکب ہو تو اس کے لیے بھی سزا کی نوعیت کو نسل کو واضح کرنی چاہیے۔

***